رسائل و مسائل

اسلام میں عورت کی امامت جائز ہے؟

سوال : روز نامہ پاکستان لاہور کی اشاعت ۴ نومبر ۱۹۹۱ء میں "ڈاکٹر جاوید اقبال اور ناصرہ جاوید" ——— "علم دوستی اور روشن خیالی کا مظہر گھرانہ" کے عنوان سے ایک انٹرویو چھپا ہے۔ انٹرویو لینے والی بھی ایک خاتون صحافی ہے۔ موصوفہ رقمطراز ہیں: "ڈاکٹر جاوید اقبال کی خوبصورت لائبریری میں جب میں نے فقہ' قانون' تاریخ اور علوم و فنون کی کتابوں کا ذخیرہ دیکھا تو میں پوچھنے پر مجبور ہو گئی کہ ان کتابوں کے مطالعہ سے اور فقہی مسائل پر غور کے بعد آپ کے نزدیک اسلام نے عورت کو کیا مقام دیا ہے؟ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے تاریخ اور حدیث میں سے دو واقعات سنائے۔ "ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاتون کو امامت کیلئے مقرر کیا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک امامت کرتی رہیں۔ اسی طرح امام شافعیؒ کو شریعت اور سنت کی تعلیم ایک خاتون نے دی اور جب وہ فوت ہوئے تو اس خاتون نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی"۔

جواب طلب بات یہ ہے کہ کیا اسلام میں عورت کی امامت جائز ہے؟

جواب : جو لوگ بغیر علم کے امام بن جاتے ہیں یا امام بن جانے کی کوشش کرتے ہیں وہ اسی طرح کی امامت کرتے ہیں جس طرح کی امامت کے بے سند واقعات ڈاکٹر جاوید اقبال نے بیان کیے ہیں۔ محض اس بنیاد پر کہ مستند ہے ان کا فرمایا ہوا۔ تاریخ و سیرت کا ذخیرہ خواتین کی امامت کے تذکرہ سے خالی ہے۔ اگر خواتین کی امامت جائز ہوتی تو جلیل القدر خواتین حضرت فاطمۃ الزہراؓ" ازواجِ مطہرات اور دیگر خواتینِ اسلام کے تذکرے اس سے خالی نہ ہوتے۔ آپ خود سوچیں کہ اگر امامت میں خواتین کا حصّہ ہوتا تو اس کا استحقاق معروف اور مشہور خواتین کا ہوتا یا ایک غیر معروف خاتون کو یہ درجہ حاصل ہوتا۔

امامت تو دور کی بات ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تو صریح حدیث ہے کہ عورت کی نماز اپنے گھر میں مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔ اور گھر میں بھی سامان کے حفاظتی کمرہ میں نماز، گھر کے دوسرے کمروں (جن میں آمدورفت ہوتی ہے) سے بہتر ہے (ترمذی شریف)۔ نیز عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لئے اپنے شوہروں سے اجازت لے کر جائیں۔ اس لئے شوہروں کو آپؐ نے تلقین فرمائی کہ "اگر عورتیں نماز پڑھنے کے لئے مسجدوں میں جانا چاہیں تو انہیں منع نہ کرو۔" نیز فرمایا "عورتوں کی نماز عورتوں کی آخری صف میں بہتر ہے۔ بہ نسبت عورتوں کی پہلی صف کے" (کیونکہ عورتوں کی پہلی صف مردوں کی آخری صف سے قریب ہو گی اور ان کی آخری صف مردوں سے دور ہو گی)۔ امتِ مسلمہ کا ہمیشہ سے تعامل چلا آرہا ہے کہ کسی بھی دور میں عورتیں امام نہیں بنیں۔ حیرت ہے کہ جو لوگ تحقیق کے مبادی سے بھی واقف نہیں ہیں وہ محقق بن جاتے ہیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال اگر اسلام کے حوالے سے بات کرنا چاہتے ہیں تو انہیں قرآن و حدیث اور امتِ مسلمہ کی تاریخ سے اس کا ثبوت پیش کرنا چاہیے۔ انہیں اگر اس پورے ذخیرہ سے بزعمِ خویش کوئی ثبوت ملا ہے تو وہ دو خواتین کے واقعات ہیں جو بذاتِ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ عورتوں کے لئے یہ مقام و مرتبہ نہیں ہے ورنہ تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری ہوئی ہوتی۔ ان کے بیان کے مطابق اگر ان کی بات مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف دو خواتین کو پوری اسلامی تاریخ میں ان کا حقیقی مقام ملا۔ "نعوذ باللہ" گویا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافتِ راشدہ کے دور سے آج تک پوری اسلامی تاریخ میں عورتوں کو ان کے حق سے محروم رکھا گیا ہے۔ اور اب اس دور میں بزعمِ خویش ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب عورتوں کو ان کے حقوق دیکر انصاف قائم کرنا چاہتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ خاتون خواتین کی امام بن سکتی ہے۔ اس طرح سے کہ مرد امام کی طرح صف سے آگے ہو کر تنہا نہ کھڑی ہو بلکہ صف میں کھڑی ہو۔ اور یہ بھی صرف جواز کے درجہ میں ہے اگر کسی خاتون یا خواتین کو اس کا شوق ہو تو وہ امامت کر سکتی ہیں لیکن یہ بھی معمول نہیں بن سکتا۔ ام ورقہؓ شہیدہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی اجازت دی تھی اور وہ اپنے گھر کی خواتین کو امامت کراتی تھیں۔

"قدروی عن ام ورقتہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذن لہا ان یوذن لہا ویقام وتوم نساء اہل دارھا۔ (المغنی لا بن قدامتہ)

(بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ورقہ کو اجازت دی تھی کہ ان کے لئے اذان دی جائے

اور اقامت کہی جائے اور وہ اپنے گھر کی خواتین کی امامت کیا کریں۔)

یہ بات قطعاً غلط ہے کہ امام شافعیؒ کا جنازہ کسی خاتون نے پڑھایا تھا۔ اس موضوع پر مزید تفصیل اور تحقیق کی ضرورت ہو تو آپ اس موضوع پر تحریر کردہ کتب کا مطالعہ کریں۔ ان کتب میں سے ایک عمدہ کتاب "عورت کی سربراہی" مصنفہ مولانا گوہر رحمان اور دوسری مولانا فضل الرحمان بن محمد کی تصنیف کردہ ہے جسے انجمنِ اہلحدیث، مسجد مبارک، اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔

جہاد میں رقم لگانے سے فریضۂ حج ساقط نہیں ہوتا

سوال: ۱۔ بندہ ایک ریٹائرڈ ملازم ہے، عمر ۶۰ سال سے کچھ اوپر ہے۔

۲۔ بندہ کی بیٹی جس کی عمر تقریباً ۲۲ سال ہے، کی شادی تا حال نہیں ہو سکی۔ البتہ منگنی ہو گئی ہے۔

۳۔ بندہ کی ریٹائرمنٹ طبی بنیادوں پر ۱۹۸۶ء کے دوران ہوئی۔ ذیابیطس کا پرانا مریض ہے Depression کا بھی شکار چلا آتا ہے۔ بندہ اس وقت بوجہ عمومی کمزوری لاٹھی کے سہارے تھوڑا بہت چل لیتا ہے۔

دیرینہ خواہش تھی کہ حج کی سعادت سے بہرہ مند ہو جاتا مگر نمبر ۲ پر دی گئی ذمہ داری کے باعث یہ معاملہ ملتوی ہوتا رہا۔ بندہ کی موجودہ صحت کی وجہ سے عزیز و اقارب جو کہ حجِ بیت اللہ کی سعادت سے مستفید ہو چکے ہیں، کا کہنا ہے کہ بندہ کے لئے یہ فریضہ ادا کرنا مشکل ہے۔

اندریں حالات بندہ نے فیصلہ / ارادہ کیا ہے کہ اگر صحت حج کی ادائیگی کے معاملے میں واقعی مانع ہے تو بندہ حج البدل کا اہتمام کیوں نہ کرے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی خیال آرہا ہے کہ اگر اسلام میں گنجائش ہو تو حج / حج البدل پر اٹھنے والی رقم کو جہاد افغانستان / جہاد کشمیر / جماعت اسلامی یا کسی یتیم و بے سہارہ بچی کی شادی کے سلسلہ میں دیدیا جائے تو کیا اس صورت میں حج / حج البدل ادا ہو جائے گا۔

جواب: حجِ بدل وہ آدمی کرا سکتا ہے جو خود حج کرنے کے قابل نہ ہو۔ اگر ایک آدمی چل پھر سکتا ہے، ایک شہر سے دوسرے شہر سفر کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حج بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ آج کے دور میں حج کے لئے کافی سہولتیں حاصل ہیں۔ بعض لوگ خود طواف نہیں کر سکتے

تو انہیں چار پائی پر بٹھا کر طواف کرا دیا جاتا ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی اسی طرح کرا دی جاتی ہے۔ کنکر پھینکنے کا کام کسی وکیل سے لیا جا سکتا ہے۔ اس کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کرلیں کہ آپ سفر اور حج کے قابل ہیں یا کہ نہیں۔ اگر استطاعت پاتے ہیں تو آپ خود حج کریں ورنہ کسی اور کو اپنی طرف سے حج کے لئے بھیج دیں۔ وہ آپ کی طرف سے حج کی نیت کریگا اور اخراجات آپ کو ادا کرنے ہوں گے۔

حج آپ پر فرض ہے اور جہاد آپ کے لئے نفل ہے۔ اس لئے جہاد فنڈ میں رقم ادا کر دینے سے آپ پر عائد فرض ساقط نہیں ہو گا۔ البتہ جہاد فنڈ میں رقم لگانے کا ثواب مل جائیگا۔ حج پھر بھی آپ کو کرنا پڑے گا یا کسی کو حج پر اپنے بدل میں بھیجنا ہو گا۔

کسی کی زمین کو برائے نام قیمت پر جبراً" خریدنا' غصب ہے

سوال : میری اراضی پانچ کنال تیرہ مرلے کاروباری علاقہ میں واقع ہے' جس کی قیمت موجودہ حالات کے مطابق چار لاکھ روپے فی کنال کے حساب سے ۲۲ لاکھ ساٹھ ہزار روپے بنتی ہے۔ میونسپل کمیٹی اسے بطور قبرستان استعمال کرنا چاہتی ہے۔ انگریز کے زمانہ کے قانون کا سہارا لیتے ہوئے نہایت ہی قلیل قیمت پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ کیا میونسپل کمیٹی کا یہ اقدام شرعاً" درست ہے؟

جواب :وفاقی ' صوبائی یا مقامی حکومت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی شخص کی چیز کو برائے نام قیمت پر جبراً" خرید لے۔ میونسپلٹی اگر کسی شخص کی زمین رفاہی مقصد کے لئے لینا چاہتی ہے تو مارکیٹ ریٹ پر خریدے۔ قبرستان کے لئے جگہ فراہم کرنا میونسپل کمیٹی کا فرض ہے۔ اس کے اخراجات اسے برداشت کرنا چاہئیں نہ کہ ایک شخص پر اس کا بوجھ ڈال دیا جائے۔ کسی ایک شخص کی زمین مارکیٹ ریٹ سے کم قیمت پر خریدنے کا مطلب یہ ہوا کہ قبرستان فراہم کرنا اس شخص کی ذمہ داری ہے' جو واضح طور پر غیر معقول بات ہے۔ انگریز نے اگر کوئی قانون بنایا تھا تو وہ صرف اسی حد تک قابل عمل ہو گا جو شریعت اور عقل کے مطابق ہے' بصورت دیگر یہ غصب شمار ہو گا اور غصب کی اجازت کسی کو بھی نہیں دی گئی۔ ہدایہ میں ہے: **الغصب فی الشریعۃ اخذ مال متقوم محترم بغیر اذن المالک علی وجہ یزیل یدہ**" جلد ۳ ص ۳۷۰۔ شریعت میں غصب کا معنی دوسرے کے قیمتی مال کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اس طرح سے لے لینا

کہ مالک کا قبضہ ختم ہو جائے۔ پس یہ مذکورہ مسئولہ صورت غصب کا حکم رکھتی ہے' جو حرام ہے۔ واللہ اعلم

طویل عرصہ کی زکوٰۃ متعیّن کرنے کا طریقہ

سوال: ۱۹۴۰ء میں ایک صاحب نے ۵۰ تولہ سونا خرید کر محفوظ کر لیا۔ جب کہ اُس وقت اس کی قیمت ۲۰ روپیہ فی تولہ تھی' ۱۹۹۱ء میں اس سونے کی زکوٰۃ ادا کرنے کا مسئلہ پیدا ہوا ہے جب کہ سونا اِس وقت قریباً" ۳۵۰۰ روپے فی تولہ ہے۔ اب ۱۹۴۰ء سے لیکر ۱۹۹۱ء تک ۵۰ سال کی مدّت کے لئے مذکورہ سونے کی قیمت کا اوسط نکالنے کا کیا طریقہ ہے؟ نیز طویل عرصہ کی زکوٰۃ کے تعین کا طریقہ بھی وضاحت کے ساتھ بتائیے۔

جواب: زکوٰۃ ادا کرتے وقت گزشتہ سالوں کی قیمت نہیں لگائی جائیگی تا کہ اوسط نکالنے کی ضرورت پڑے بلکہ جب آپ زکوٰۃ ادا کر رہے ہیں اس وقت کی قیمت لگائی جائیگی مثلاً آپ نے ۱۹۴۰ء میں ۵۰ تولے سونا ذخیرہ کیا اور اب تک اس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی اور اب ادا کرنا چاہتے ہیں تو موجودہ ریٹ ۳۵۰۰ روپے فی تولہ کے حساب سے ۵۰ تولے سونا پر جو زکوٰۃ آتی ہے یعنی ۴۰ فیصد وہ آپ ادا کر دیجئے۔ ۵۰ تولے سونے کا وہ حصہ جو زکوٰۃ میں نکل جائے اس کے علاوہ باقی آپ کی ملکیت ہے۔ زکوٰۃ دینا پڑے گی یہاں تک کہ ساڑھے سات تولے سونا سے کم ہو جائے تو پھر زکوٰۃ نہیں۔ اگر روپیہ اور نوٹ کی شکل میں زکوٰۃ دیں گے تو ہر سال پچاس تولے سونا کی زکوٰۃ دینا ہو گی۔

اسلام اور وکالت

سوال: مقدمات دیوانی ہوں یا فوجداری' فریقینِ مقدمہ' اجرت پر وکیل مقرر کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایک فریق برسرِ حق اور دوسرا برسرِ باطل ہوتا ہے۔ اور یہ کہ ہر فریق یا موکل اپنے اپنے وکیل کو حقیقتِ حال سے آگاہ کر دیتا ہے۔

ازاں بعد وکیل صاحب اپنی مہارتِ فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے برسرِ باطل موکل کو برسرِ حق ثابت کرنیکی کوشش کر کے اس کو جرم یا جرائم کی سزا سے بچانا چاہتے ہیں۔ اور ان کے طریقِ کار سے آپ پوری طرح واقف ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا کتاب و سنت کی رُو

سے ایسی وکالت اور اس پر اجرت لینا حلال ہے؟

اور کیا یہ **تعاون علی الاثم والعدوان** کی تعریف میں نہیں آتا۔ اور کیا جماعتِ اسلامی کے وکلاء حضرات اس قسم کے تعاون کے مرتکب نہیں ہوتے؟ اور کیا اس سلسلہ میں جماعتِ اسلامی نے اپنے وکلاء پر کوئی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اور ان پر عمل ہو رہا ہے؟

جواب : جو کام انسان خود نہیں کر سکتا وہ کام اس کا وکیل بھی نہیں کر سکتا۔ اگر ایک انسان خود عدالت میں جھوٹ بولے تو وہ آخرت میں اپنے جرم کی سزا کے علاوہ جھوٹ بولنے کی سزا بھی پائے گا۔ اگر وہ اپنے مقدمہ میں کسی کو وکیل کرتا ہے اور اس کا وکیل جھوٹ بولتا ہے اور اسے سزا سے بچانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ مجرم ہے۔ اور جماعتِ اسلامی اپنے متفقین' کارکنان اور ارکان بلکہ تمام مسلمانوں کو تلقین کرتی ہے کہ وہ سچ بولیں' اسلام کو اپنے اوپر اور دنیا کے دوسرے لوگوں پر نافذ کریں۔ ایک مومن کی زندگی کا اصل مشن اقامتِ دین ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی مقصد کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ بلکہ تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد یہی تھا۔ وکالت کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک انسان جو سچی بات خود اچھے انداز میں بیان نہیں کر سکتا دوسرا اسے اچھے انداز میں بیان کر دے۔ نیز جو جرم اس سے سرزد ہوا ہے اس کی قانونی سزا کیا ہے' اس قانون کی نشاندہی میں عدالت کی رہنمائی کرے۔ اس لئے ایک وکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ سچ بولے اور دوسرا یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عدالت کے سامنے مجرم کی یا اپنے موکل کی شرعی سزا یا شرعی حکم کی نشاندہی کرے۔ انگریزی قانون میں سے صرف ایسے قانون کا حوالہ دے جو شرعی حکم سے نہ ٹکراتا ہو اور اگر شرعی حکم سے ٹکراتا ہو تو عدالت کے سامنے شرعی قانون بیان کرے اور عدالت سے شرعی قانون نافذ کرنے کا مطالبہ کرے۔ جو وکیل اس سلسلہ میں وقت اور محنت صرف کرے اس پر اجرت لینے کا مستحق ہے۔ اگر ہمارے ملک کے وکلاء اس طریقہ پر عمل شروع کر دیں تو آج ہی عدالتوں میں اسلام نافذ ہو سکتا ہے اور وہ عدالتوں کو شرعی قوانین کے نفاذ پر مجبور کر سکتے ہیں۔ وکلاء کی اسلامی تنظیمیں اس طرز کی وکالت کا آغاز کرنے کا اہتمام کر سکتی ہیں اور وکلاء کو اس کی دعوت و ترغیب بھی دے سکتی ہیں۔ اللہ کرے کہ یہ سلسلہ شروع ہو تاکہ ہم زندگی کے اس شعبہ میں اللہ رب العالمین کی بندگی کا حق ادا کر سکیں۔